اکیسویں صدی کے چیلنجز اور اُردو زبان و ادب

(امکانات و مباحث)

ڈاکٹر جاوید منظر

Dr. Javed Manzar

Federal Urdu University of Arts, Science and Technology, Karachi.

Abstract:

In this research article an effort has been made to show the importance of Urdu for Pakistan for the betterment of Pakistan, it is very necessary to give it a proper role in Education System. It is a source of proud for Pakistan. In daily life, Urdu should be given a rightful place.

اکیسویں صدی دنیائے ادب کے انگنت امکانات و مباحث لے کر آئی ہے ابھی یہ صدی اپنے ابتدائی دور سے گزر رہی ہے۔گزشتہ صدی نے دنیائے ادب کو ایسے بے شمار اہلِ قلم سے روشناس کرایا، جنھوں نے اپنی تحریروں کے حوالے سے اُردو زبان و ادب کو نئی راہوں سے آراستہ کیا۔

انگریزی، فارسی، عربی کی طرح اُردو زبان بھی اپنے دبستانوں پر فخر کرتی ہے۔اس سے قبل کہ راقم الحروف اکیسویں صدی کے چیلنجز اور اُردو زبان و ادب کے امکانات اور مباحث پر اپنے خیالات کا اظہار کرے۔اس سلسلے میں اپنے تحقیقی مقالے ''کراچی کے دبستانِ شاعری میں اُردو غزل کا ارتقا'' کی اشاعت دوم ۲۰۱۲ء کے صفحہ نمبر ۵۲ کی اس تحریر کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

مغرب میں دبستان کے بارے میں بھر پور خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ پرنسٹن یونیورسٹی انسائیکلو پیڈیا آف پوئٹری میں دبستان کے تحت درج ذیل توضیح ملتی ہے:

> ''دبستان! یہ اصطلاح مصنفین کی اس جماعت کے لیے استعمال ہوسکتی ہے۔ جو ایک بارسوخ وحدت کے طور پر مجتمع ہوگئے ہوں اور جو آزادانہ طور پر ان اُصولوں پر متفق ہوگئے ہوں جو ان کے کام کی اساس ہو۔ یہ اُصول گاہے گاہے بطور منشور شائع ہوتے رہتے ہوں۔ ایک دبستان ایسی تحریک کو وجود میں لاسکتا ہے۔جس کا اثر کئی ممالک تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ عام طور پر ان دبستانوں کی عمر ناپائیدار ہوتی ہے لیکن اِن کے اثر کی زرخیزی برسہا برس تک باقی رہتی ہے خاص طور پر جبکہ ان کے رہنما اُصول انقلابی نوعیت کے ہوں ان ادبی دبستانوں کی مشہور مثال سولہویں صدی کے طباع شعراء فرانس کے گروہ کی دی جاسکتی ہے۔ جیسے گولنگر ڈسٹر یوانڈیا اس سے قبل ریفائیلی انگریز فنکاروں کا ایک گروہ ماقبل'' ریفائیلی

برادری'' کا کوئی فرد، یہ برادری ۱۸۴۸ء میں تشکیل دی گئی تھی او راس میں ہال مین (Holman) ہنٹ (Hunt)، جان ایورسٹ ملائے (Millais Everest John) اور دانتے گیبرئیل روز یٹی (Rossetti Gabriel Donite) شامل تھے۔ جنھوں نے ریفائیل سے پہلے کے اطالوی فنکاروں کے طرز اور روح کی احیاء کی کوشش کی تھی۔ انھیں مقاصد اور طریقوں کا حامی عہد حاضر کا کوئی بھی فنکار ریفائیل سے پہلے کا کوئی بھی اطالوی نقاش، ماقبل ریفائیل، ان سے مطابق یا ان کے خصائص یا پھر بھائی چارے کے انگریز شاعر اسپنسر (۱۵۵۲ء۔۱۵۹۹ء) کی مثال دی جا سکتی ہے۔ جو عملی اور فنکارانہ دلچسپیوں کا مرکز ہے اور دانشورانہ حوالے سے معروف ہے۔''(۱)

ادب مغرب کا ہو کہ مشرق کا یعنی ساری دنیا کے اہل علم و دانش کی فکر کا محور، جب معاشرتی حوالوں سے اپنی موجودگی کا احساس دلاتا ہے تو ہمیں اُس ادب کو اپنے روز و شب کے تناظر میں پرکھنا ہوتا ہے۔

آج کا دور ہمیں مستقبل کی اساس سمجھ کر آنے والے کل کے چیلنجز کی فکر کرنا سکھاتا ہے۔ وہ چیلنجز جو ہمیں زبان و ادب کے ذریعے اکیسویں صدی کی زندگی میں آسانیاں فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کریں۔

گزشتہ صدی کے ایٹمی دور میں، جہاں ایک ملک دوسرے ملک کو اپنی خواہشات کے شکنجے میں جکڑنے کے لیے روز و شب مصروف رہا ہے۔ ایسے پُر آشوب دور میں انسانی حقوق کی سراسر پامالی کی جاتی رہی جس کی مثال، کشمیر، یمن، افغانستان، مشرق وسطیٰ، بوسنیا، فلپائن، قبرص، فلسطین وغیرہ کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

بیسویں صدی ہمیں اس بات کا پیغام دے گئی ہے کہ صنعت و حرفت کے میدان میں پیچھے رہ جانے والی قومیں ترقی کی راہوں میں دنیا سے پیچھے رہ جاتی ہیں۔ سائنسی ایجادات اور اقتصادی ترقی میں پیچھے رہ جانے والی یہ قومیں ترقی یافتہ قوموں کی غلام بن کر اُن کے رحم و کرم کی محتاج ہو جاتی ہیں۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں نے اپنے ابتدائی دور میں سائنسی میدانوں میں فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیے تھے۔ ہزار سال قبل کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت نظر آتی ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ کوئی ترقی یافتہ قوم نہیں تھی۔ یوں عرب و عجم کی مثال نے دنیا کو ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ قوموں کی شکل میں پیش کر دیا تھا۔ زبان تو صرف عرب کے پاس تھی باقی سب گونگے تھے۔ وہ ترقی یافتہ دور جہاں ایسے خیالات اور امکانات کا دور دورہ ہو وہیں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے زیادہ تر ممالک گذشتہ صدیوں سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے چلے آ رہے تھے۔ آج بھی ظاہری طور پر نہیں مگر عملی طور پر یہ ممالک امریکہ اور یورپ کے زیر اثر ہیں۔(۲)

انیسویں اور بیسویں صدی کے اُس پُر آشوب دور کے بعد آج دنیا اکیسویں صدی میں قدم رکھ چکی ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ موجودہ صدی میں ہمارے لیے کیا آسانیاں ہوں گی اور ہمیں اس صدی میں کن خطرات اور چیلنجز کا سامنا کرنا ہوگا۔ اُردو زبان و ادب کو اکیسویں صدی میں واقعات، حالات، ترقی اور مسائل کو حل کرنے کے لیے گزری ہوئی صدیوں کے تجربے اور قبل مسیح اہلِ علم و دانش کے تجربات، خیالات اور محسوسات کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا۔ ہمارا روشن ماضی ہماری بنیاد ہے اور اکیسویں صدی ہمارا مستقبل، اب ہمیں ماضی کی بنیاد پر مستقبل کی مضبوط اور عظیم عمارت تعمیر کرنا ہوگی۔

آج کا یہ دور جب کمپیوٹر نے دنیا کے تمام ممالک کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔ دنیا کے کسی حصے میں کوئی تحقیق یا واقعہ رونما ہو وہ دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ جاتا ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر ممالک بھی ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔

آزادی انسان کا بنیادی حق ہے۔ دینِ اسلام، حقیقتاً دینِ فطرت ہے۔ انسان کو فطرت کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہیے۔ ہم اگر گزشتہ چودہ سو برس کی تاریخ کو پڑھیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ علم وحکمت کی راہوں اور خاص طور پر سائنسی علوم میں مسلمان سائنس دانوں کے انکشافات اور اکتشافات سے فیض یاب ہونے کے بعد مغربی اقوام نے نہ صرف صنعت وتجارت میں بھرپور ترقی کی بلکہ دولت وقوّت کی بنا پر دنیا کے طول وارض میں اپنی طاقت کی وجہ سے سارے اقصائے عالم پر پھیل گئیں یوں افریقہ اور ایشیا کے زیادہ تر ملکوں پر اپنی طاقت کے بل بوتے پر قبضہ جما لیا۔ ان ممالک میں سترہ کے قریب ایسے ممالک بھی تھے جن میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ ان ممالک کی دولت کو لوٹ کر لے گئے اور جن ممالک نے احتجاج کیا انھیں تہہ تیغ کر دیا۔ اپنی تہذیب اور ثقافت اُن ممالک میں لے آئے اور اُن کے شہریوں کو غلام بنا لیا اور یوں تقریباً ایک صدی تک اُن ممالک کے لوگوں کو غلام بنا کر آخر کار گزشتہ صدی ظاہری طور پر آزادی کی صدی کہلائی۔

آج جب ہم اکیسویں صدی کی ابتداء میں کھڑے ہوئے سوچ رہے ہیں کہ یہ صدی اپنے دامن میں مزید سائنسی انکشافات کے ساتھ ساتھ تکنیکی شعور کو بھی دنیا کے سامنے پیش کرے گی۔ اکیسویں صدی کی اہم اور بنیادی ضرورت انسانی سماج کے لیے اخلاقی مسئلہ ہے۔ اگر اکیسویں صدی انسانی اخلاقی اقدار کو مکمل طور پر اعتبار واستحکام نہیں عطا کر سکتی تو اس صدی کے نئے سائنسی انکشافات اور تیکنیکی شعور سب بے کار ثابت ہوں گے۔ یقیناً وہ سائنسی شعور اور انکشافات جو اکیسویں صدی کی اساس قرار دیے جا سکتے ہیں وہ کیا ہو سکتے ہیں؟ اس موضوع کے تحت بیسویں صدی کے اختتام پر میں نے ایک نظم کہی تھی جس کا عنوان ''اکیسویں صدی'' ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

دوستو، ساتھیو، راہرو دیکھ لو
جسم وجاں کے زمانے میں ہوتے ہوئے
ہم نہ کہتے تھے اگلی صدی آئے گی
وہ جو لمحے خلاؤں میں تھے کل تلک
ایک اِک کر کے پیکر میں ڈھل جائیں گے
ہم بتا دیں کہ پچھلی صدی کے لیے
ہم نے بخشے ہیں حیرت کدے زیست کو
دوستو آؤ اگلی صدی کے لیے
زندگی کو نئی راہ دیں اس طرح
فکر، لہجہ، گماں، سوچ، چاہت، خوشی
جسم سے رُوح تک، فرش سے عرش تک

یہ مضامین بھی زیست بن جائیں گے
فکرو لہجے پہ تھیسیس بھی لکھیں گے ہم
اور گماں، سوچ، چاہت، خوشی کے لیے
ہم خلاؤں کے اُس پار بھی جائیں گے
جس سے چاہیں گے جذبے خریدیں گے ہم
چاند، مریخ اور کرۂ ارض کے
دن میں سو بار چکر لگائیں گے ہم
اپنے قدموں میں ہوں گے زمیں آسماں
ہاں مگر!
اِس سے پہلے کہ ہم
کچھ نئی منزلیں اور نئی کہکشاں
اپنے قدموں کی زینت بناتے چلیں
یہ بھی دیکھیں برابر کے گھر میں کوئی
بھوک اور پیاس سے مر نہ جائے کہیں (۳)

انسانی معاشرے میں ادب کی اسی طرح اہمیت ہے جیسے جسم میں رُوح کی حیثیت ہے۔ کسی بھی ملک کا ادب اس ملک کے رہائش پذیر افراد کی زندگی کے روز وشب کا عکاس ہوتا ہے۔ ضروریات، احتیاجات اور تعیّشات اُس ملک کے آئینہ دار ہوتی ہیں کسی بھی ملک کے روز وشب کو دیکھنے کے لیے اُس ملک کی افرادی قوت کے رہن سہن اور تعلیم وتربیت اہم حوالہ ہیں جہاں تک تعلیم وتربیت کا سوال ہے اُس حوالے سے اُس ملک کی زبان بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمارے ملک پاکستان کو آزاد ہوئے، آج اکہتر (۷۱) برس ہو چکے ہیں مگر آج بھی ہم عملی طور پر انگریزوں کے غلام ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اُردو زبان، دنیا کی تیسری بڑی زبان ہے جس کی اپنی لغت بھی موجود ہے۔ (۴)

ادب اور سائنسی علوم کو اُردو زبان میں بڑی حد تک منتقل کیا جا رہا ہے اور کئی حکومتی ادارے اس کام کو تکمیلی مراحل تک لے آئے ہیں اس سب کے باوجود پاکستان کے دستور کی شق ۲۵۱ ہمیں ہر دور میں اس بات کی طرف توجہ دلاتی رہی ہے اور منصف اعلیٰ پاکستان نے تین برس قبل تحریری طور پر حکم نافذ کر دیا تھا کہ پاکستان کی قومی زبان اُردو ہے جسے اسے دستور کی رُو سے پندرہ برس میں نافذ ہو جانا چاہیے تھا مگر گزشتہ حکومتوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ اور آج بھی عملی طور پر اُردو زبان نافذ نہیں ہوئی ہے۔ آج بھی عدالتی، سرکاری، معاشرتی طور پر انگریزی زبان کو پاکستان کے طول وارض میں وہی مقام حاصل ہے جو اُردو زبان کا دستوری حق ہے۔

ہر قوم اپنی زبان پر فخر کرتی ہے مگر پاکستان کے ارباب اقتدار ہر دور کی طرح آج بھی اُردو زبان کو سرکاری طور پر نافذ کرنے میں مخلص نہیں ہیں۔ جبکہ دنیا کے نقشے پر غور کیا جائے اور ممالک کی فہرست پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح

عیاں ہو جائے گی کہ ہر ملک کی مرکزی و سرکاری زبان ایک ہے اور علاقائی زبانوں کی تعداد انگنت ہیں جن کی حیثیت اُس علاقے تک محدود ہے۔ اسی طرح پاکستان کے ہر شہر ہر گاؤں میں علاقائی زبانیں جدا جدا ہیں مگر وہاں اُردو زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے اور پاکستانی عوام کی ایک بڑی تعداد اُردو زبان بول سکتی ہے۔ مگر حکومت کا اُردو زبان سے دوری کا عمل آج بھی جاری ہے۔ دفتری اور خاص طور پر تعلیمی اداروں میں اگر اسی طرح اُردو زبان سے دُوری کا عمل جاری رہا تو وہ وقت دُور نہیں جب پاکستانی قوم اُردو زبان سے دوری کے سبب اپنی ثقافت، معاشرت، تہذیب اور تمدن کو بھول چکی ہوگی۔

اس وقت پاکستان میں دو نظام رائج ہیں ایک صاحبانِ ثروت کے لیے، جس میں انگریزی زبان اور مغربی ممالک کے اثرات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اِن کی تعداد اگرچہ کم یعنی تقریباً آٹھ سے دس فیصد پر مشتمل ہے مگر یہ افراد ملک کے کلیدی عہدوں اور تجارت اور مغربی اثرات کے حامل افراد ہیں۔ انگریزی زبان ان کا اہم حوالہ ہے اور یہی لوگ اپنی انفرادیت اور ملکی اقتدار پر قابض افراد ہیں۔ جبکہ دوسرا نظام، عوام کا ہے جو دل و جان سے اُردو زبان کو اپنانے کی خواہش اور زندگی کی گاڑی کو دھکیلنے کے لیے سرکاری نوکری سے جڑا ہوا ہے۔ جہاں دفتری کام انگریزی زبان میں ہوتے ہیں۔(۵)

آج ہم اُردو زبان سے غیر محسوس طریقے پر دُور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ زبان جو ۱۸۵۷ء سے قبل خالص اُردو تھی آج زیادہ تر انگریزی زبان کے الفاظ سموتی چلی جا رہی ہے جبکہ اُردو زبان میں انگریزی زبان کے الفاظ استعمال کیے جا رہے ہیں مثلاً کرسی کی جگہ چیئر، تقریر کی جگہ اسپیچ، زبان کی جگہ لینگویج، کمرے کی جگہ رُوم، قلم کی جگہ پین وغیرہ وغیرہ۔ یہی نہیں بلکہ اُردو زبان کا رسم الخط بھی رومن میں بدلا جا رہا ہے۔ اس بارے میں آپ کو یہ بات بتانا چاہتا ہوں کہ آج سے چند برس قبل کراچی کے علاقے ڈیفنس سوسائٹی میں ایک اخبار کے دفتر میں نئی نسل کے اہلِ قلم میری زندگی کے بارے میں جاننا چاہ رہے تھے اور اُس کے لیے ایک گھنٹے کے دورانیے پر مشتمل گفتگو کو لکھ رہے تھے اُن کی تعداد تقریباً آٹھ تھی۔ یہی کوئی بیس منٹ کے بعد میں پانی پینے کے لیے رُکا اور پھر گفتگو کے آغاز سے قبل ایک خاتون سے کہا ہاں تو میں نے آخری جملہ کیا کہا تھا اور اسی کے ساتھ اِن کے کاغذات دیکھنے لگا تو مجھے حیرت ہوئی کہ میں اُردو میں گفتگو کر رہا ہوں اور وہ انگریزی میں لکھ رہی ہیں تو میرے پوچھنے پر اُنھوں نے بتایا کہ میں اُردو میں لکھنا نہیں جانتی رومن رسم الخط میں لکھ رہی ہوں۔

آج تک سرکار اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکی ہے کہ جب دستور اور حالات سب ہی اُردو زبان کے حق میں ہیں تو اس کے باوجود اِسے نافذ کیوں نہیں کیا جا رہا ہے اور تعلیمی اداروں میں اُردو زبان کے بجائے انگریزی زبان میں کیوں تعلیم دی جا رہی ہے۔

اکیسویں صدی کے چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کے لیے ہمیں بہرصورت اُردو زبان و ادب سے دوری کو جلد از جلد ختم کرنا ہوگا اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب ہم بیسویں صدی کے اُس دور کی طرح جس دور میں غیر منقسم ہندوستان کے صوبہ حیدر آباد دکن میں تمام علوم و فنون کی تعلیم اُردو زبان میں دی جاتی تھی۔ ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ سب ہی اُردو زبان میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ تو کیا وجہ ہے کہ ہمارے ملک پاکستان میں دستور کی شق نمبر ۲۵۱ کی رو سے جب اُردو پاکستان کی قومی زبان قرار دی گئی ہے پھر یہ غیر قانونی عمل کیسا؟ ہر صوبے میں علاقائی زبانوں کے ساتھ قومی زبان کو وہی اہمیت دی جائے جو دنیا کے دوسرے ممالک میں اُس کی قومی زبان کی اہمیت ہے۔ سرکار کے تمام کام اور پاکستان کے طول و ارض میں دفتری اور سرکاری زبان کی حیثیت سے اُردو

زبان کو اہمیت دی جائے۔

ہم اکیسویں صدی کے چیلنجز میں اُسی وقت کامیاب اور کامران ہوں گے جب اُردو زبان و ادب کو تحریری طور پر پاکستان کی ہر سطح پر بحیثیت قومی اور سرکاری زبان نافذ کیا جائے گا اور یہ اسی وقت ممکن ہو سکے گا جب ہماری عدالت عظمیٰ اور موجودہ حکومت اُردو زبان کی اہمیت کو سمجھے گی اور اس کے نفاذ پر عملی اقدامات بروئے کار لائے گی اور پاکستان میں ہر تحریری کام اُردو زبان میں انجام دیا جائے۔

حوالہ جات

1. J.A. Cuddon, The Penguin Dictionaryof Literary Terms and LiteraryTheory, England: Clays Ltd. St Lves Pls. ThirdEdition, 1992, P:837-838

۲۔ محمد ارشد اویسی، ڈاکٹر، مضمون: قومی یک جہتی کے اردو ناگزیر ہے، مشمولہ: العلم، ادبی مجلّہ، شمارہ:۴، لاہور: لاہور گیریژن یونیورسٹی، ۱۸۔۲۰۱۷ء، ص:۶۹

۳۔ جاوید منظر، ڈاکٹر، شاخِ بُریدہ، لاہور: ماورا پبلشرز، اشاعتِ اوّل، ۲۰۱۶ء، ص:۱۱۳۔۱۱۲

۴۔ محمد ارشد اویسی، ڈاکٹر، مضمون: قومی یک جہتی کے اردو ناگزیر ہے، مشمولہ: العلم، ادبی مجلّہ، شمارہ:۴، ص:۶۸

۵۔ محمد خاں اشرف، ڈاکٹر، مضمون: اردو اور آزادی کے تقاضے، مشمولہ: نورِ تحقیق، تحقیقی و تنقیدی مجلّہ، جلد:۲، شمارہ:۷، لاہور: لاہور گیریژن یونیورسٹی، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۸ء، ص:۴۷

☆......☆......☆